مولانا عبدالرحمٰن کیلانی قسط نمبر ۱

دین طریقت یا رہبانیت

ایک آفاقی مذہب

جسم اور روح کے اتصال کا نام زندگی ہے۔ ہر جاندار میں یہ دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں لیکن انسان اور دوسرے جانداروں میں فرق یہ ہے کہ اسے عقل و شعور اور خیر و شر میں تمیز کی صلاحیت سے بھی نوازا گیا ہے۔ اسی عقل و شعور کا کرشمہ ہے کہ ہر عقلمند انسان یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ وہ اس کائنات میں اپنا مقام متعین کرے کہ وہ کس حیثیت سے اس کائنات میں زندگی گزارتا ہے۔ اپنے مقام کی اسی تشخیص پر اس کی زندگی اور اعمال و افعال کا انحصار ہوتا ہے۔

لیکن انسان کی عقل محدود ہے۔ زندگی میں بے شمار ایسے مسائل سامنے آتے ہیں جن میں عقل اکثر بھٹک جاتی ہے۔ مثلاً اس کائنات کی ابتدا کیسے ہوئی؟ وہ دنیا میں کس حیثیت سے آیا ہے؟ مرنے کے بعد کیا روح بھی فنا ہو جائے گی؟ اور اگر ایسا نہیں تو پھر اس کی آئندہ زندگی کس طرح کی ہوگی؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن کا عقل کی کسوٹی پر تجربہ و مشاہدہ نہیں کیا جا سکتا۔ پھر ہر انسان کی عقل کا معیار بھی الگ الگ ہے۔ کچھ لوگ تو ایسے ہیں جو ہر وقت اسی قسم کے سوالات پر غور و فکر کرنے میں منہمک رہتے ہیں۔ کچھ دوسرے ایسے بھی ہیں جنہیں صرف کھانے پینے اور سونے کے غرض ہوتی ہے ان مسائل کی طرف بھول کر بھی کبھی نہیں سوچتے۔ پھر یہ بات بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ انسان کی سوچ پر اس کے ماحول کی گہری چھاپ ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ بھی ضروری نہیں کہ ایک محدود دائرہ میں ہر عقل مند کی عقل ایک ہی نتیجہ اخذ کرے۔

بلاشبہ دین کے انتخاب کے معاملہ میں عقل کو ایک مقام حاصل ہے۔ اس کے اصول و مبادیات کی جانچ اور تحقیق میں ہر انسان خود مختار ہے۔ چاہے تو اسے قبول کرے چاہے تو

رد کر دے۔ لیکن دین کے تمام مسائل اور اس کی فروعات کو عقل کے حوالے نہیں کیا گیا بلکہ خالقِ کائنات نے اپنے خاص فضل و کرم سے انبیاء پر وحی نازل فرما کر انسان کو کائنات میں اس کے صحیح مقام کی نشاندہی بھی کر دی ہے۔ بالفاظ دیگر کسی نبی تک پہنچنے کی حد تک تو انسان اپنی عقل سے کام لینے میں خود مختار رہے کسی نبی پر ایمان لانے کے بعد اسے یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ اس کی ہر ہر چیز کو اپنی عقل کی کسوٹی پر پرکھے بلکہ اب نبی کی رہنمائی ہی واجب ہوتی ہے اسی چیز کا نام دین ہے۔

خدا کا پیغام ہدایت

اللہ نے جب انسان کو دنیا پر اتارا تو جہاں اس کی بھوک، پیاس اور منفی خواہشات کی تکمیل کے لیے خوراک، پانی اور اس کے جوڑے کا انتظام کیا وہاں اس کی روحانی اور اخلاقی تمناؤں کی تکمیل کے لیے ایک واضح نظامِ ہدایت بھی عطا فرمایا۔ چنانچہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام جہاں پہلے انسان تھے جو دنیا میں تشریف لائے وہاں وہ پہلے نبی بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کی جنت میں رہائش اور وہاں سے نکلنے کا قصہ بیان کر کے آدمؑ اور اولادِ آدم سے یوں مخاطب ہوتے ہیں۔

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (۲/۳۸)

پھر تمھیں میری طرف سے راہ ہدایت پہنچے گی۔ تو جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے ان پر نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ ہی غمناک ہوں گے۔

پھر جس طرح انسان کو عقل و شعور سے نوازا گیا ہے۔ وجدان سے بھی سرفراز کیا گیا ہے جسے قلبی کیفیت بھی کہتے ہیں۔

بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا عقل کی کسوٹی پر تجربہ و مشاہدہ نہیں کیا جا سکتا لیکن انسان کا دل اس بات پر شہادت دیتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ اللہ تعالیٰ نے موت کے بعد کی زندگی کے ثبوت میں نیند کو بطور تمثیل پیش کیا ہے کیونکہ ان دونوں میں بہت سی باتیں بطور قدر مشترک پائی جاتی ہیں اور ساتھ ہی انسان کو یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ جو خدا انسان کو نیند کے بعد زندہ کر دیتا ہے وہ بھلا مرنے کے بعد زندگی کیوں نہیں عطا کر سکتا۔ یہ تمثیل عقل اور تجربہ کی کسوٹی پر پوری نہ اترنے کے باوجود انسان کے دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے۔ اسی قلبی کیفیت کا نام وجدان ہے۔ وحی الٰہی میں عقل و خرد اور وجدان دونوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔

مذاہبِ عالم میں جب بھی کبھی بگاڑ پیدا ہوا ہے انہی دو چیزوں — عقل اور وجدان — کے استعمال میں افراط و تفریط سے ہوا ہے۔ عقل نے جب وحی الٰہی میں بے جا تنقید و مداخلت کی اور اسے کلام اور فلسفہ کی سان پر چڑھایا تو اس سے کیا گل کھلے اور کتنے نئے فرقے وجود میں آئے۔ اس مضمون میں یہ تفصیل خارج از بحث ہے۔ سر دست ہم اس بگاڑ کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو وجدان کے استعمال میں افراط اور تفریط سے پیدا ہوئے ہیں۔

ایمان بالغیب تمام انبیاء پر جو مختلف ادوار و اوقات میں وحی نازل ہوتی رہی تو اس کے اصول و مبادیات ہمیشہ ایک ہی رہے ہیں اور ان کا بنیادی تصور "ایمان بالغیب" ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ بن دیکھے خدا پر ایمان لانا اور یہ سمجھنا کہ وہی اس کائنات کا خالق و مالک اور رازق ہے اور وہ صرف ایک ہی ہستی ہو سکتی ہے۔

۲۔ بن دیکھے مرنے کے بعد کی زندگی، جنت اور دوزخ پر ایمان لانا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ ہر انسان کے مرنے کے بعد اس کے اچھے یا بُرے اعمال کی جزا و سزا ضرور ملے گی اور ان کے اعمال کے لحاظ سے ان کا ٹھکانا جنت یا دوزخ ہو گا۔

۳۔ بن دیکھے اس بات پر ایمان لانا کہ نبی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ نازل ہوتا ہے جو اللہ کی طرف سے بندوں کے لیے وحی یا پیغام ہدایت لاتا ہے۔ اگرچہ نبی ان میں کا ہی ایک فرد ہوتا ہے۔

انسان اور دیگر موجودات میں دوسرا بنیادی فرق یہ ہے کہ انسان کے علاوہ باقی تمام موجودات اللہ کے تکوینی قوانین کی پابند ہیں۔ سورج، چاند، زمین، آسمان، پانی، آگ، ہوا یا بادل وغیرہ کے لیے جو طبعی قانون اللہ نے مقرر فرما دیے ہیں۔ کوئی چیز بھی سرِ مُو ان سے تجاوز نہیں کر سکتی۔ لیکن انسان طبعی لحاظ سے تو تکوینی امور کا پابند ہے۔ وہ چاہے بھی تو بڑھاپے کے بعد جوانی واپس نہیں لا سکتا، نہ اپنی موت کو روک سکتا ہے۔ وہ کھانے پینے کے بغیر زندہ بھی نہیں رہ سکتا، یہ اور اس جیسے دوسرے بے شمار مسائل ایسے ہیں جن میں انسان مجبور محض اور تکوینی امور کے آگے بے بس ہوتا ہے لیکن خیر و شر میں سے کسی ایک کے انتخاب پر اسے کچھ اختیار بھی دیا گیا ہے۔ وحی الٰہی یا خدا کی طرف سے نازل شدہ ہدایت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان ایسے اختیاری امور میں بھی خود کو، دوسری تمام موجودات

کی طرح، خدا کی منشا و مرضی کے تابع بنا دے تاکہ اس کی ذات بھی کائنات سے ہم آہنگ ہو جائے۔ ایمان بالغیب اس معاملہ میں نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے۔

خدا اگر چاہتا تو کائنات کی دوسری اشیاء کی طرح — انسان اور اپنے درمیان سے غیب کے یہ سارے پردے ہٹا بھی سکتا تھا لیکن اس طرح انسان کی اطاعت اختیاری نہ رہتی بلکہ دوسری اشیاء کی طرح اضطراری قسم کی ہوتی اور انسان کی پیدائش اور اس دنیا کے دارالامتحان ہونے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا۔ ایمان بالغیب اور وحی الٰہی کا فائدہ یہ ہے کہ وہ انسان کے مادی اور روحانی تقاضوں میں کچھ اس قسم کا حسین امتزاج پیدا کر دیتا ہے جس پر عمل پیرا ہو کر انسان روحانی منازل طے کرتا ہوا دنیا اور آخرت کی کامیابیوں اور کامرانیوں سے ہم کنار ہو جاتا ہے اور مرنے کے بعد وہ ان تمام چیزوں کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیتا ہے جن پر وہ مرنے سے پہلے بن دیکھے ایمان لایا تھا۔

رہبانیت کی ابتدا تاریخ مذاہب کے مطالعہ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ مذہب میں جب بھی بگاڑ پیدا ہوا ہے تو اس کی ابتدا ہمیشہ مقدس اور نیک آرزوؤں سے ہوئی اور یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے لیے بھلائی کے تصور سے کبھی سیر نہیں ہوتا اور اس بھلائی کو جلد از جلد حاصل کرنے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ انسان نے سوچا کہ جو باتیں ہم آخرت میں مشاہدہ کریں گے ہمیں کسی نہ کسی طرح ان چیزوں کا پورا یا تھوڑا بہت مشاہدہ اس دنیا میں بھی ہو جائے تو کیا ہی بہتر ہو گا۔ اس طرح اس نے ان کے غیب کے پردوں کو دور کرنے کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ اس نے یہ بھی سوچا کہ اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اس کا جسم اور اس کے مادی تقاضے ہیں۔ لہٰذا جب تک ان سے چھٹکارا حاصل نہ کیا جائے روحانی منازل طے کرنا ناممکن ہے۔ یہی فکر رہبانیت یا دین طریقت کی بنیاد ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ (۵۷/۲۷)

اور انھوں نے لذات سے کنارہ کشی کی، خود ایک نئی بات نکالی جس کا ہم نے ان کو حکم نہیں دیا تھا مگر انھوں نے اپنے خیال کے مطابق خدا کی خوشنودی حاصل

کرنے کے لیے (آپ ہی ایسا) کر لیا تھا۔ پھر جیسا اس کو نباہنا چاہیے تھا نباہ بھی نہ سکے۔ پھر جو لوگ ان میں سے ایمان لائے ان کو ہم نے ان کا اجر دیا اور ان میں سے زیادہ نافرمان ہیں۔

مندرجہ بالا آیت سے اس دین طریقت کی بہت سی باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔

۱۔ لذاتِ دنیا کو ترک کرنا[1] وحی الٰہی کے مطابق نہیں بلکہ ایک بدعت ہے۔

۲۔ ان کے اپنے خیال کے مطابق وہ اللہ کی خوشنودی چاہتے تھے۔ حالانکہ اگر فی الواقعہ یہ خدا کی خوشنودی کا طریقہ ہوتا تو ضرور وحی میں مذکور ہوتا تاہم ان کا ابتدائی ارادہ نیکی و خیر پر محمول تھا۔

۳۔ نصاریٰ سے بہت پہلے یہود نے بھی یہ روش اختیار کی تھی۔

۴۔ پھر یہ لوگ اپنے ابتدائی نیک ارادوں پر قائم نہ رہے اور مختلف راہوں پر بھٹکنے لگے۔

۵۔ یہ کئی گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ تو ایمان پر قائم رہا اسے اس کا اجر ملے گا۔ لیکن زیادہ تر یہ لوگ نافرمان ہی تھے۔

دنیوی تعلقات سے بیزاری

ان لوگوں کا یہ نظریہ تھا کہ روحانیت کے اس راستے میں حائل سنگ گراں ہمارا مادی جسم ہے لہٰذا اس جسم کو مضمحل اور کمزور بنانے کے لیے طرح طرح کے عذاب دیے جانے لگے۔ کم سے کم کھانا پینا جس سے صرف روح اور جسم کا تعلق باقی رہے اور کم سے کم سونا، دنیوی لذات، جن سے فائدہ اٹھانے کا خدا نے انھیں حق دیا تھا اس سے کنارہ کشی کرنا، شدید سردی میں ننگے بدن باہر رات گزارنا، کہیں شدید گرمی میں کسی ایک ہی جگہ کھڑے رہنا، چپ کا روزہ رکھنا، کیچڑ میں پڑے رہنا اور اسی طرح کی کئی دوسری صورتیں مادی جسم کو کمزور کرنے اور اذیت دینے کے لیے ایجاد کر لی تھیں حتیٰ کہ تاریخ میں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ یہ راہب اپنے جسم پر خود زخم کر لیتے۔ پھر اس میں کیڑے پڑ جاتے۔ اور اگر کوئی کیڑا گر جاتا تو اٹھا کر اسے پھر اپنے جسم پر چمٹا دیتے اور کہتے کہ یہ جسم تمھاری خوراک ہے۔ تم اس سے کیوں محروم ہوتے ہو۔ گویا اپنی جان سے دشمنی ان کا پہلا اصول تھا۔ لہٰذا جسم کی تعذیب اور اس کے تقاضوں کی تکذیب کے ذریعے وہ اپنے

---

[1] جیسے یہ لوگ چہار ترک کی تعلیم دیتے ہیں۔ ترکِ دنیا، ترکِ عقبیٰ، ترکِ اکل و نوم اور ترکِ خواہش نفس۔

جسم کو تحلیل کرنے میں مصروف ہو گئے۔

ان لوگوں کا دوسرا اقدام دنیا والوں سے قطع تعلق تھا۔ یہ لوگ اپنے لیے کوئی گوشۂ تنہائی منتخب کر لیتے یا پھر کسی جنگل کی راہ لیتے۔ ان کے خیال کے مطابق ان کے رشتہ دار اور دوسرے معاشرتی تعلقات رکھنے والے دوست احباب بھی اس راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ تھے۔ لہٰذا دنیا و مافیہا سے الگ ہو کر کسی جنگل میں ایک کٹیا بنا کر گیان دھیان میں مصروف ہو جاتے۔ دنیوی علائق میں سے ان لوگوں کو سب سے زیادہ دشمنی عورت سے تھی۔ تاریخ میں ایسے دلدوز واقعات بھی ملتے ہیں کہ کوئی ماں متا کی ماری ماں اپنے ایسے ہی راہب بیٹوں کو جنگل میں دیکھنے گئی لیکن بیٹوں نے اس کی ملاقات سے انکار کر دیا۔ وہ انھیں صرف ایک نظر دیکھنے اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کے لیے ترستی اور التجائیں کرتی رہی لیکن ان سنگدل راہبوں نے اس کی التجا کو ذرہ بھر وقعت نہ دی اور اسے ناکام واپس آنا پڑا۔

بیوی کا معاملہ اس سے بھی زیادہ نازک تھا۔ کیونکہ نکاح کرنے اور بیوی کی موجودگی میں انسان پر بہت زیادہ معاشی اور معاشرتی ذمہ داریاں آ پڑتی ہیں۔ لہٰذا یہ لوگ متاہل زندگی سے سخت نفرت کرتے تھے۔ گو ان کو رہبانیت کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہ دیا تھا تاہم انھیں رہبانیت کی زندگی کی فضیلت کے کچھ اشارے ضرور مل جاتے تھے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود شادی نہیں کی، ان کی زندگی کے جن چند سالوں کے واقعات پر روشنی پڑتی ہے، وہ یہی ہے کہ انھوں نے تبلیغ کے سلسلہ میں گھوم پھر کر مجرد زندگی گزار دی تھی۔ پھر عیسائیوں میں نکاحِ ثانی کی بھی گنجائش نہ تھی اور یہودیوں نے رہبانیت کا تصور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان چالیس دنوں سے لیا جو انھوں نے تورات ملنے سے قبل کوہِ طور کے دامن میں گوشہ نشینی کی حالت میں گزارے تھے۔

یہ تو یہود و نصاریٰ کی بات تھی۔ اب ہندوستان کی طرف آئیے۔ ہندومت کے رہنماؤں[۱]

---

[۱] اہلِ ہند کو خدائی رہنمائی ملی تھی یا نہیں؟ اس سوال کے متعلق قرآن کریم سے اتنا جواب تو ملتا ہے کہ:

اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيْرٌ (۳۵/۲۴)

اور کوئی امت نہیں مگر اس میں ہدایت کرنے والا گزر چکا ہے۔

لیکن یہ بات کہ ہندوستانی مذہبی رہنما فی الواقع پیغمبر تھے یا نہیں، وثوق سے کچھ (باقی اگلے صفحہ پر)

نے انسان کی زندگی کو سو سال قرار دیا اور اس کے چار حصّے کیے۔ جس میں آخری (چوتھا حصّہ یا ۲۵ سال رہبانیت (گیان دھیان) کے لیے مختص کیے گئے تھے۔ اور بدھمت تو خالصتًا اسی راہبانہ زندگی کی تعلیم دیتا ہے۔ اس مذہب کا بانی مہاتما بدھ — جو ایک شہزادہ تھا — نے دنیا کی بے ثباتی اور اس کے ہنگاموں سے راہِ فرار اختیار کر کے راہبانہ زندگی بسر کی۔ تا آنکہ اس کو وہ روشنی ملی جس کی تلاش میں وہ نکلا تھا۔ بعد ازاں اس نے ہندوؤں سے علیحدہ بدھمت کی بنیاد ڈالی۔ اس مذہب کی تعلیم ہی یہ ہے کہ انسان کی مکتی یا نجات کی واحد صورت یہ ہے کہ وہ راہبانہ زندگی اختیار کرے۔ ایسے راہبوں کو وہ اپنی زبان میں بھکشو کہتے تھے۔

غیب کے پردے

غیب کے جس قدر پردے ہٹانے کی ضرورت تھی وہ تو اللہ تعالیٰ نے خود ہی ہٹا دیے تھے۔ وحی کے ذریعہ تمام انبیاء کو یہ اطلاع دی جاتی رہی کہ اس کائنات کا خالق و مالک صرف ایک ہی مقتدر ہستی ہو سکتی ہے جو تمام کائنات کا الٰہ اور معبود ہے باقی تمام مخلوق مطیع فرمان اور عاجز بندے ہیں۔ وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ماضی کے حقائق کا بھی انکشاف کیا اور قیامت اور اخروی زندگی کا بھی۔ جزاء و سزا کے قانون کا بھی اور یہ بھی کہ مرنے کے بعد انسان کے ساتھ کیا کچھ ہونے والا ہے۔ یہ سب غیب کی باتیں تھیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے خود ہی تبلا دیں۔ اور اس نظامِ کائنات، انسان اور خدا کے درمیان ایسے غیب کے پردے خود ہی اٹھا دیے تھے جن کی انسان کو دنیوی اور اخروی زندگی میں کامیابی سے ہمکنار ہونے کی ضرورت تھی اور جن کے انکشاف میں انسان کی عقل یا وجدان گمراہ ہو سکتے تھے۔ اس سے زیادہ پردے اٹھانے سے چونکہ اس دارالامتحان کا نظام مختل ہو سکتا تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے مصلحتًا ان پردوں کو قائم رکھا لہٰذا اس نے انبیاء کو صرف اتنا ہی علمِ غیب عنایت فرمایا جتنا انسان کی نجات کے لیے ضروری تھا۔

مگر چونکہ ایسے رہبان یا گیانی یا صوفی قسم کے لوگوں کا سب سے پہلا ہدف یہی غیب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نہیں کہا جا سکتا۔ پھر حضور اکرمؐ کی تعلیمات اور شریعت کے علاوہ تمام انبیاء کی کتب میں چونکہ پیشتر سے رد و بدل ہوتا رہا ہے۔ لہٰذا ہم اس معاملہ میں حضور اکرمؐ کے ارشاد کے مطابق نہ تو ان کی تصدیق کرتے اور نہ تکذیب کرتے ہیں۔

کے پردے ہوتے ہیں لہٰذا اسلام میں رہبانیت کو قطعاً ناجائز قرار دیا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد ہے کہ:

لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ۔ اسلام میں رہبانیت نہیں۔

لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کا ایک طبقہ اس میدان میں گھس گیا۔ وہ بھی اس راہبانہ زندگی کے جواز کے لیے یہ دلیل پیش کرنے لگے کہ حضور اکرم نے نبوت سے چند ماہ پیشتر غارِ حرا میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور وہیں آپ پر وحی نازل ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ زمانہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے کا تھا جو شریعت کا حصہ نہیں ہے۔ علاوہ ازیں جب آپ نے ترکِ رہبانیت سے متعلق ایک واضح حکم دے دیا تو پھر اس کے بعد اس واقعہ کی کیا اہمیت باقی رہ جاتی ہے۔ پھر کچھ لوگوں نے زہد اور فقر کے متعلق آیات واحادیث کو غلط سلط معنی پہنائے اور ان صفات میں انتہا درجے کا غلو اور کھینچا تانی کر کے رہبانیت کی راہ ہموار کر لی۔

طریق کار ان لوگوں کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنا کام علم توجہ اور علم استحضار روح اسپریچولزم (SPIRTUALISM) سے شروع کرتے ہیں۔ جس طرح ایک مسمریزم کا ماہر عامل معمول پر اپنی توجہ ڈال کر اس کی روح کو حاضر کرتا اور اس سے کئی طرح کی خبریں حاصل کرتا ہے یا ایک جن نکالنے والا آیات قرآنی یا جنتر منتر پڑھ کر جنوں کو حاضر کرتا ہے اور ان کاموں کے لیے پہلے چلہ کشی اور ریاضت کی جاتی ہے بعینہٖ یہی طریق ان لوگوں نے اختیار کیا۔ ایسے اعمال وافعال کے لیے تین چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

۱۔ پیکر محسوس، جو غیب کے پردہ میں نہ ہو، جیسے مسمریزم کرنے والے عامل کے سامنے معمول ہوتا ہے اور جن نکالنے والے پیر کے سامنے مریض۔

۲۔ توجہ خواہ بہ ظاہری آنکھ کی کشش سے ہو یا قلبی ہو جسے عرف عام میں توجہ، مراقبہ یا ہندی میں گیان دھیان کہتے ہیں اور

۳۔ عزم راسخ یا عقیدہ۔

پیکرِ محسوس خواہ کوئی جاندار شے ہو یا بے جان۔ جب اس کے متعلق کوئی عقیدہ قائم کر کے مراقبہ کیا جائے گا تو اس کے اثرات، حسبِ پختگی عقیدہ مرتب ہونے شروع ہو جائیں گے ایسے اعمال وافعال سے جہاں انسان نے روحوں کو حاضر کر کے ان سے غیب کی خبریں

حاصل کیں وہاں ان سے حسبِ ضرورت کام بھی لیا۔ انسان کی اس طرح سے حاصل شدہ معلومات کو اسلامی تصوف کی اصطلاح میں کشف یا مکاشفہ کہا جاتا ہے۔

ریاضت، مجاہدہ، چلّہ کشی اور مکاشفات کے ذریعہ انسان کو یہ بھی معلوم ہوا کہ اس روحوں کی دنیا (عالم ارواح) میں بے شمار قسم کی روحیں پائی جاتی ہیں جو غیر مرئی مخلوق ہیں۔ مثلاً فرشتے، جن، فوت شدہ انسانوں کی روحیں، نیک روحیں، شیطانی اور خبیث روحیں سب اس عالم میں پائی جاتی ہیں۔ انسان نے اپنی پسند اور ضرورت کے مطابق ان روحوں کو قابو کرنے کے لیے کئی قسم کے اوراد اور جنتر منتر بھی دریافت کر لیے اور ان کو مسخر کر کے کئی قسم کی شعبدہ بازیاں دکھانا شروع کیں۔ ایسی روحوں کو عام طور پر رجال الغیب کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ (جاری ہے)

خریدار حضرات متوجہ ہوں

● بہت سے احباب کی مدت خریداری اس شمارے کے بعد ختم ہو جائے گی۔ بطورِ اطلاع ان کے نام آنے والے پرچے پر "آپ کا چندہ ختم ہے" کی مہر لگا دی گئی ہے۔ اپنا پرچہ چیک کر لیں اور نوٹ فرمالیں کہ اس اطلاع کے بعد پندرہ دن کے اندر اندر، آئندہ خریداری جاری رکھنے کی صورت میں سالانہ زرِ تعاون بذریعہ منی آرڈر روانہ فرمادیں یا اگلے ماہ کا شمارہ) بذریعہ وی پی وصول کرنے کے لئے تیار رہیں ——— اور اگر خدانخواستہ آئندہ خریداری جاری نہ رکھنے کی صورت میں دفتر کو اطلاع دیں کہ وی پی روانہ نہ کیا جائے۔

یاد رکھئے! وی۔پی۔پی واپس کرنا اخلاقی جرم ہے

● بعض اوقات تازہ پرچہ محفوظ رکھنے کی خاطر وی پی پیکٹ میں پرانا پرچہ ارسال کر دیا جاتا ہے، اور وی پی پی وصول ہونے کے فوراً بعد تازہ پرچہ عام ڈاک سے روانہ کر دیا جاتا ہے لہٰذا اسے کسی بددیانتی پر محمول نہ کیا جائے۔ والسلام!

(منیجر)